غُلام

خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھ کو کس غرض کی تکمیل اور کس خیال کو پیشِ نظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ مجھے تو بظاہر اپنے یہاں آنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں! اگر سرکار کے چانٹوں کے لیے کسی گُدّی کی؛ بیگم صاحبہ کے طمانچوں کے لیے کسی گلّے کی؛ صاحب زادے صاحب کی ٹھوکروں کے لیے کسی پنڈلی کی اور صاحب زادی صاحب کی چٹکیوں کے لیے کسی ہاتھ کی ضرورت تھی، تو میرے پیدا کرنے کے لیے بہت کافی وجوہ موجود تھے اور شاید اسی خیال سے میری ہڈیاں مضبوط، میرا گوشت سخت اور میری گُدّی مضبوط بنائی گئی ہے، یا رفتہ رفتہ بن گئی ہے۔

میں کہاں پیدا ہوا اور کب پیدا ہوا؟ اس کا داخلہ قضا و قدر کے دفتر میں شاید مل سکے، دنیا میں ان واقعات کا پتا چلنا ناممکن ہے۔ میرے ماں باپ کون تھے؟ اس کا حال بھی کسی کو معلوم نہیں اور کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے، جب باوجود ان کا بیٹا ہونے کے مجھے خود معلوم نہیں، تو بھلا دوسروں کو کیا معلوم ہوگا۔ ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ جب میں چھوٹا سا تھا، اس وقت ایک عورت مجھے گود میں لیے پھرتی تھی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئی اور کسی نے مجھے سڑک کے کنارے ایک مکان میں لا بٹھایا۔ اس کے بعد ہمارے سرکار آئے، کچھ لکھا پڑھی ہوئی، مجھے گاڑی میں بٹھا کر لائے۔ اس کے بعد اب تک نہ یہ گھر ہم سے چھوٹا اور نہ ہم اس گھر سے چھوٹے۔ گھر میں آتے ہی مار و مار میرے لیے نئے کپڑے سلے اور نہلا دُھلا، کپڑے پہنا، مجھے خاصا اُجلا آدمی بنا دیا۔

تھوڑی دیر میں دستر خوان بچھا، بیگم صاحبہ نے مجھے بھی دستر خوان پر بٹھا لیا۔ یہ پہلا اور آخری دن تھا، جو اس گھر میں مجھے دستر خوان پر کھانا کھانا نصیب ہوا۔ کھانے بڑے مزے کے تھے۔ میں بھوکا بھی تھا۔ ایسا بیتاب ہو کر گرا کہ جب پیٹ تن کر نقارہ ہو گیا، اُس وقت کہیں جا کر کھانے سے ہاتھ اٹھایا۔

جس پیٹ میں کبھی آدھی روٹی نہ پہنچی تھی، اس میں ملغوبہ بھر گیا، بدہضمی ہوئی؛ علاج ہوئے؛ خُدا خُدا کرکے اچھا ہوا، اس کے بعد میں کھانے میں احتیاط کرتا، یا نہ کرتا، ہاں! کھانا دینے میں بیگم صاحبہ بہت احتیاط کرتیں۔ گھنٹے

ٹتے آدھی روٹی پر نوبت آ گئی۔ حکم تھا کہ میرے سامنے کھا۔ بھلا بڑھتے معدے کو آدھی روٹی کیا معلوم ہو، لیکن وہاں آدھی روٹی سے پون روٹی نہ ہوئی۔ پھر بھی میرے بڑے پیٹے ہونے کی شکایت تھی۔

اُن کی ایک لڑکی بس میرے ہی برابر تھی۔ یقین مانیے گا کہ ہر وقت اس کا مُنہ چلتا تھا۔ یہ سودے والا آیا، بل پھٹی دو پیسے لے کھا گئی؛ کوئی خوانچے والا آیا بھڑ گئی، ایک آنہ لے چٹ کر گئی؛ کا چھن آئی لوٹ گئی، دو چار پیسے کے کچالو ہضم کیے؛ کھانے پر بیٹھی تو سب کے بعد اُٹھی۔ جب دیکھو پیٹ تنا ہوا ہے۔ دست آ رہے ہیں، مگر بیگم صاحبہ ہیں کہہ جاتی ہیں: ”اے ہے! نہ یہ بچی کچھ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے۔ آخر کیسے جیے گی۔ ذرا کھانے بیٹھی اور اس مُوے نے (یہ میری طرف اشارہ تھا) گھورنا شروع کر دیا۔ بھر بھر رکابیاں دیتی ہوں، جب بھی تو مُوے کا پیٹ نہیں بھرتا۔ مرغی کا معدہ ہے، اِدھر کھایا اور اُدھر ہضم۔“

نظر وظر تو لگانا مجھے آتا نہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ گُھورنا اکثر میرے لیے مفید ثابت ہوا ہے۔ شروع شروع میں تو میری یہ حالت تھی کہ کسی کو کچھ کھاتے دیکھا اور الگ ہٹ گیا۔ کوئی اللہ کا بندہ یہ بھی خیال نہیں کرتا تھا کہ اس معصوم اور لاوارث بچے کو کچھ دو، آخر کہاں تک دل مارا جاتا۔ میں نے بھی رنگ بدلا، جہاں کسی نے ذرا مُنہ چلایا اور میں نے گھورا۔ اِدھر میں نے گھورا اور اُدھر مجھ پر صلواتیں پڑنی شروع ہوئیں، مگر تھوڑا بہت یاروں کے حصہ میں آ ہی گیا۔ ہوتے ہوتے میری نظر کا شُہرہ ہو گیا۔ ایک دفعہ میں نے بہت گھورا تھا، مگر کسی نے مجھ کو کچھ نہیں دیا تھا... خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس کا سارا کھایا جوں کا توں نکل گیا اور میری نظر لگنے کا اثر سمجھا گیا۔ اب کیا تھا! ذرا میں نے کھانے والے کی طرف گھور کر دیکھا اور میں اس کا حصہ دار ہو گیا۔ غرض نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی کوئی نعمت نہ تھی، جو گھر میں آتی ہو اور اس میں سے تھوڑا بہت مجھے نہ مل جاتا۔

خیر کام سے تو ہم نہیں گھبراتے، مگر ہر وقت کی مار پیٹ، ذرا بُری معلوم ہوتی ہے۔ آخر کہاں تک پٹے ائیے۔ یہ آیا مار گیا، وہ آیا مار گیا۔ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں لوٹا لا؛ صاحب زادے صاحب کہہ رہے ہیں پانی لا؛ اجزادی صاحبہ فرما رہی ہیں چل میرے ساتھ کھیل۔ یہ کہہ رہا ہے۔ اِدھر آ، وہ کہہ رہا ہے اُدھر جا۔ آخر آدمی نہ ہوا ھن چکر ہو گیا، جس کا حکم نہ مانو وہی مارے اور حکم مانو، تو کیوں کر مانو، بھلا تین کام ایک آدمی کیونکر کرے۔

آخر میں نے بھی بے حیائی کا جامہ پہن لیا۔ پٹنا قسمت میں لکھا ہے، تو یوں ہی سہی۔ یوں بھی پٹنا وہ
پٹنا۔ پھر کام کر کے اپنے آپ کو مفت میں کیوں تھکائیں۔ نکمے کا خطاب ملتا ہے، تو ملنے دو۔ برا بھلا کہتے ہیں تو کہنے
دو۔ اس کان سنو اُس کان اُڑا دو۔ آپ ہی بک بک کر تھک جائیں گے۔ یہ چال بھی گھورنے کی طرح کارگر
ہوئی۔ سب چیختے چلاتے، مگر میں ٹس سے مَس نہ ہوتا۔ جہاں کسی نے ذرا ہاتھ لگایا اور میں نے اس زور سے چیخ
ماری، گویا کسی نے گلا گھونٹ دیا ہے۔ کبھی کسی نے میری اس ترکیب کو دیکھ لیا، تو راز کھل گیا، نہیں تو مارنے والا خود ہی
گیا۔ دوسروں نے غل مچایا کہ اے ہے! لونڈے کو مار ڈالا۔ کبھی تو مارنے والے صاحب مجھ سے زیادہ پٹ گئے،
کبھی ڈانٹ ڈپٹ ہو گئی، مگر ہم کام سے بچ گئے۔

مگر بابا ''ہر فرعونے را موسیٰ'' چھوٹی صاحب زادی صاحبہ کچھ مجھ سے زیادہ تیز تھیں۔ خود ہی مجھے مارتیں
اور خود ہی رونے بیٹھ جاتیں۔ بھلا ان کے مقابلے میں مجھ بچارے کی کیا ہستی تھی۔ الٹی مجھ پر ہی لے دے ہوتی
غرض اس لڑکی کے ہاتھوں ناک میں دَم آ گیا، مگر میں بھی بدلہ لیے بغیر تھوڑا ہی مانتا تھا۔ مارنے کی تو ہمت نہ ہوتی
تھی، ہاں! کبھی بیگم صاحبہ ان پر خفا ہوتیں، تو میں بھی الٹی سیدھی بہت کچھ لگاتا۔ مہینہ مہینہ بھر پہلے کی باتیں یاد دلاتا
اگر قسمت نے یاوری کی، تو کام بن گیا اور صاحبزادی صاحبہ کی خوب گندی ہو گئی۔ نہیں تو لترا پے کا الزام لگا۔ بیگم
صاحبہ نے بیٹی کا غصہ مجھ غریب پر اُتار لیا۔

جمعہ کے جمعہ ہماری ٹانٹ گھونٹ کر باجرے کا پیڑا بنا دی جاتی تھی۔ ذرا بالوں کی کھونٹیاں نکلیں اور اُسترا
پھرا۔ اُسترے کا پھرنا قیامت ہوتا تھا۔ جس کے پاس سے نکلے، اسی نے چانٹا رسید کیا۔ کچھ گھٹی ہوئی ٹانٹ پر چانٹا
ایسا پڑتا ہے کہ سبحان اللہ! چھینٹیں اُڑ جاتی ہیں۔ مارنے والے کو مزا آتا ہو، تو آتا ہو، میرا تو بعض وقت سر بھنّا جاتا
تھا اور تو اور بڑے سرکار بھی مذاق میں چلتے چلتے دو ایک چانٹے ضرور رسید کر دیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں: ''باپ پر پُوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا'' میرا باپ بھی شاید کوئی چور تھا، کیونکہ جہاں
میں نے کسی اچھی چیز کو دیکھا، چرانے کو جی چاہا۔ پہلے تو دل مارتا رہا، آخر فطرت طبیعت پر غالب آ گئی اور چھوٹی
چھوٹی چیزوں کی چوری میں نے شروع کر دی۔ کھلونا اٹھایا، چھپا لیا؛ رومال دیکھا، غائب کر دیا، لیکن آخر ان چیزوں

کو لے، کہاں جاتا۔ میری دنیا تو اسی مکان کی چار دیواری تھی۔

سچ ہے خدا بڑا کارساز ہے۔ یہ مشکل بھی آسان ہوئی۔ ایک ماما آگئیں، ہاتھ کی بڑی تیز تھیں۔ موقع ملتا، تو گھر بھر میں جھاڑو دے دیتیں، مگر مشکل یہ آپڑی کہ بیگم صاحبہ کچھ ان کی شکل سے تاڑ گئیں، اس لیے ان کے حدود باورچی خانے اور صحن سے آگے نہ بڑھے۔ اس پر بھی وہ اپنا پوتھ پورا کر لیتی تھیں۔ رات کو گھر جاتیں۔ صبح ہی واپس آتیں۔ کوئی روز روز پوٹلی کھلوانے سے رہا۔ خدا جانے کتنا دال آٹا باندھ کر لے جاتی تھیں۔ ہاں! یہ ضرور تھا کہ جب سے وہ آئی تھیں، دستر خوان پر ہر چیز تُھڑنے لگی تھی۔ ہماری بیگم صاحبہ کی سمجھ دیکھو کہ بجائے یہ معلوم کرنے کے کہ کھانا کیوں کم پڑتا ہے، الٹا غلہ بڑھا دیا، مگر ماما جی نے اس پر بھی بس نہ کی، اِدھر غلہ بڑھا، اُدھر ان کی چوری بڑھی۔ غرض جب تک وہ رہیں کھانے میں ہمیشہ برکت ہی برکت رہی۔

ماما جی بچہ سمجھ کر میرے سامنے پوٹلی باندھنے میں ذرا احتیاط کم کرتی تھیں، اس لیے مجھے ان کے کرتوتوں کا حال خوب معلوم ہے۔ ان کو بھی معلوم تھا کہ میں ان کی ساری کارروائیوں سے واقف ہوں، اس لیے میری خاطر داری کرتیں۔ چپکے ہی چپکے باورچی خانے میں خوب کھلاتیں؛ کبھی کبھی مٹھائی بھی لا کر دیتیں۔ رفتہ رفتہ مجھے بھی اُن سے کچھ اُنس ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا، گھر والے میرے ساتھ کون سی بھلائی کرتے تھے، جو میں ان کے مال کا غم کھاتا۔

آخر یہ ہُوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں خود میں نے ماما جی کو چُرا چُرا کر چیزیں دینی شروع کیں۔ ذرا بیگم صاحبہ نے کوئی چیز رکھی اور غائب: تکیے کے نیچے سے پیسے غائب؛ جیب سے روپے غائب؛ کھونٹی پر سے تولیا غائب۔ آخر یہاں تک ہوا کہ پٹاری میں سے سونے کا چھلا اُڑ گیا۔ اس پر بڑا غل مچا؛ چھری پڑھوا کر رکھی گئی؛ کچے چاول چبوائے گئے، مگر پتا نہ چلا۔ مجھ پر تو شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جانتے تھے کہ چرائے گا، تو کہاں لے جائے گا۔ ماما پر شبہے کی گنجائش ہی نہ تھی، کیونکہ ان سے باورچی خانہ کب چھوٹتا تھا۔ اب رہی بی مُغلانی اور آیا، تو وہ جانیں اور بیگم صاحبہ جانیں۔

غرض تھوڑے دن بعد گئی گزری بات ہوئی۔ چھلّے کے عوض بی ماما نے مجھے دو لڈو لا کر دیے۔ اب کیا تھا مجھے لڈوؤں کی چاٹ پڑ گئی۔ میں نے بھی اپنا گھر صاف کر ماما جی کا گھر بھرا اور خوب بھرا۔ ان کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی، سارا جہیز ہمارے گھر سے رفتہ رفتہ وہاں پہنچ گیا۔ یہاں تک دری، چاندنی اور مچھر دانی تک اٹھ گئی۔

بیگم صاحبہ پریشان تھیں کہ یا اللہ! سامان کے پر لگ گئے ہیں کہ اِدھر رکھا اُدھر غائب۔

آخر حاضرات کی ٹھہری، چھوٹی بی بی آئینے کے سامنے بٹھائی گئیں۔ جنوں کے بادشاہ نے ان سے حال پوچھا۔ چھوٹی بی بی تو میری جان کی دشمن تھیں ہی، انھوں نے میرا نام لے دیا۔ کسی کو یقین نہ آیا، مگر بڑے سرکار کچھ کھٹک گئے۔ شاید میرے اور ماما جی کے زیادہ میل جول سے ان کو کوئی خیال پیدا ہو گیا۔ ماما جی سمجھیں، چلو یہ مال بھی ہضم ہوا۔ ایک دن مجھ سے کہا: دیکھو بیٹا! ابھی بیگم صاحبہ پٹاری میں چمپا کلی رکھ کر کوٹھے پر گئی ہیں۔ اس وقت دالان میں کوئی ہے بھی نہیں، ذرا چپکے سے نکال تو لا۔ اتنے لڈو کھلاؤں گی کہ پیٹ بھر جائے گا۔ باورچی خانے سے نکل ٹہلتے ٹہلتے دالان میں آئے، ادھر اُدھر دیکھا، میدان صاف تھا۔ پٹاری کھول، چمپا کلی نکال، زینے میں اتر، باورچی خانے آ ماما جی کے حوالے کی۔ انھوں نے اپنے خُشکے کی رکابی میں ٹھوس، رکابی پوٹلی میں باندھ دی۔ بیگم صاحبہ نیچے آئیں۔ پٹاری کھول کر پان کھایا، مگر کچھ نہ بولیں۔

تھوڑی دیر میں بڑے سرکار، بی بی مغلانی اور آپا بھی دالان میں آ گئے۔ کھانا منگوایا گیا۔ سب نے کھانے سے فراغت کی۔ بی ماما اپنی پوٹلی دکھا دروازے کے باہر نکل رہی تھیں کہ ایک غُل مچ گیا۔ میں دوڑتا ہوا باہر آیا۔ دیکھتا ہوں کہ ماما جی کو ایک سپاہی پکڑے کھڑا ہے اور ماما جی وہ شور مچا رہی ہیں کہ خدا کی پناہ! گھر والوں کو بھی طعنے دے رہی ہیں؛ سپاہی کو بھی صلواتیں سنا رہی ہیں۔ مجھے جو ماما جی نے دیکھا تو کہا: "بیٹا ذرا یہ کھانا تو لے جا کر میرے گھر میں دے آ۔ بچی بھوکی بیٹھی ہوگی۔ بارہ بج چکے ہیں۔ دیکھیے! ان کالی وردی والوں سے کب پیچھا چھوٹتا ہے۔ خدا نہ کرے کوئی ایسے گھر میں نوکر ہو، یہ نہ شریف کو دیکھیں نہ رذیل کو، گھوڑے گدھے کو ایک لاٹھی ہانکتے ہیں"۔

یہ کہہ کر انھوں نے پوٹلی میری طرف بڑھائی۔ میں نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سپاہی نے ایسے زور سے ڈانٹا کہ میرا دَم ہی نکل گیا اور ماما جی بھی کچھ سہم سی گئیں۔ اتنے میں داروغہ جی بھی آ گئے۔ کچھ لوگ اور جمع ہوئے۔ پوٹلی کھلوائی گئی۔ خُشکے میں سے چمپا کلی نکلی۔ یہ دیکھ کر ماما جی بپھر گئیں، کہنے لگیں: ہیں! یہ چمپا کلی میرے خُشکے میں کہاں سے آ گئی؟ بیگم صاحبہ نے خود نکال کر مجھے خشکہ دیا تھا۔ اُنھی نے رکھ دی ہوگی۔ ہاں بابا! بڑے لوگ ہیں۔ آج خُشکے میں مدعا (چوری کا مال) رکھ کر پولیس کے حوالے کر دیا، کل خدا جانے کیا کریں! نا بابا نا! میں اس گھر میں اب نہیں رہنے کی۔

یہ کہہ کر ماما جی جانا چاہتی تھیں کہ سپاہی نے چٹیا پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اس پر تو بڑھیا نے وہ اودھم مچایا کہ
سارا محلہ چیخ چیخ کر اور رو رو کر سر پر اٹھا لیا۔ اس وقت تو میں نہیں سمجھا تھا، مگر ہاں اب سمجھا ہوں کہ غل
مچانے سے اس کا کیا مطلب تھا۔ اس کا مکان قریب ہی تھا۔ یہ اپنی بیٹی کو نوٹس تھا کہ مال گھر سے نکال دے۔ وہ بھی
اپنی ماں کی بیٹی تھی۔ سمجھ گئی ہوگی کہ اماں پر آفت آئی ہے۔ مال لے کر نکل رہی تھی کہ دوسرے سپاہی نے اس کو پکڑ کر
اس کے ساتھ ماں کے برابر لا کھڑا کیا۔

اس کے بعد ہم سے پرسش شروع ہوئی۔ مار سے ڈرایا، مٹھائی کا لالچ دیا۔ پھر ہم کو ان ماں بیٹی سے کیا دلچسپی
تھی۔ مار کے ڈر اور مٹھائی کے لالچ سے سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ وہ دونوں کہاں جہنم رسید
ہوئیں۔ ہاں! یہ ضرور ہوا کہ ہم سے جو وعدے ہوئے تھے، ان کا پہلا حصہ بہت دل بھر کر ہم کو پہنچا دیا گیا۔ گھر میں
اب بھی ہم رہتے ہیں، لیکن ماماؤں اور نوکروں سے ہم کو ذرا کم ملنے دیا جاتا ہے اور بھئی اب ہم خود بھی سمجھدار ہو گئے
ہیں۔ اگر کچھ چراتے ہی ہیں، تو خود ہی کھا پی کر برابر کر دیتے ہیں، کسی کو دیتے دلاتے نہیں، بھلا سرکار کے مال کے
جب ہم حق دار موجود ہیں، تو پھر یہ مال دوسروں کو کیوں پہنچے۔ بچپنا تھا غلطی ہوگئی۔ اللہ معاف کرے گا۔

(مضامین فرحت)